

OPEN ACCESS

AL-EHSAN

ISSN(E) 2788-4058

ISSN(P) 2410-1834

www.alehsan.gcuf.edu.pk

PP: 33-55

حضرت مجدد الف ثانی کے اسلوب دعوت کی عصری معنویت**The Importance of Hazrat Mujaddid Alif Sani's Trend and
Style of Preching in the Current Era****Dr. Rukhsana Shaheen Waraich**

Lecturer, Department of Law, Quaid-e-Azam University, Islamabad

Dr. Hafiz Farhan Arshad

Assitant Professor of Islamic Studies, Gift University, Gujranwala

Abstract

After the death of Hazarat Muhammad (SAW) the responsibility of preaching was laid on the whole Ummah particularly on Ummah Muhammadia. In the sub-continent, the Muslim scholars and saints made the preaching of Islam their sublime mission. One of the greatest name is Hazarat Mujjadad Alf Sani (May Allah be pleased with him). The movement launched by Hazarat Mujjadad was a complete movement of preaching. This movement influenced the whole world of Islam particularly the sub continent. His prominent caliphs and followers devoted their lives to this mission of preaching. Hazarat Mujjadad adopted such a style and trend of preaching as was according to the circumstances and requirements of his era. That is why his movement met a tremendous success. The style and trend of the Hazarat's preaching movement should be kept in view in the present age. This research article presents an introduction and review of Hazarat Mujjadad's style and trend of preaching in this very background.

Keywords: Sub-Continent, Saints, Mujjadad Alif Sani, Movement, style and trend of preaching.

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے، تاہم قرآن نے دعوت و تبلیغ اور بنی نوع انسان کی ہدایت کی ذمہ داری پوری امت محمدیہ ﷺ پر ڈال دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر یہ ذمہ داری امت کے علماء پر عائد کی اور ان کے دعوتی کردار کو انبیاء بنی اسرائیل کے مماثل قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا“^(۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر اس امت میں ایک ایسا فرد پیدا فرمائے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا۔“

اسلام چونکہ ایک ایسا دین ہے جو قیامت تک کے لیے ہے اس لیے ایک مناسب وقفے کے بعد امت کے لیے ایسے افراد کا وجود ناگزیر ہو جاتا ہے جو ایک طرف تو اسلامی احکام کی تشریح و تعبیر عصر حاضر کے احوال و ظروف میں کرنے کی خداداد صلاحیتوں سے مالا مال ہوں اور دوسری طرف دین اسلام میں در آنے والی بدعات پر تنقید کر کے اسلام کی تنظیم نو اور تجدید کا فریضہ بھی انجام دیں۔ تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق تجدید و احیائے دین کا یہ کام بسا اوقات ایک فرد سے لیا تو کبھی پوری جماعت سے۔ کسی دور میں تجدید و احیائے دین کی تحریک محض کسی خاص علاقے کی ضرورت تھی تو بسا اوقات یہ ضرورت پورے عالم اسلام کی تھی۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ (۹۷۱-۱۰۳۴ھ / 1563-1624ء) کے دور کا تنقیدی مطالعہ اس حقیقت کو مبرہن کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس وقت تجدید دین کی ایک عالمگیر تحریک کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اور بجا طور پر شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں اور دعوتی کوششوں نے اس ضرورت کو بطریق احسن پورا کیا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی تحریک جن اصولوں پر کھڑی ہوئی اور پھر کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس کا تجزیاتی مطالعہ دور حاضر کے داعیان اسلام اور دعوتی تحریکوں کے لیے بنیادی نصاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی تحریک کی عصری معنویت واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

1- مبلغین کی تیاری اور تشکیل کی حکمت عملی

کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے تربیت یافتہ اور مخلص کارکنوں کا وجود از بس ضروری ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ جیسی عبقری شخصیت اس ضرورت سے غافل نہ تھی، چنانچہ اپنے دعوتی مشن کی تکمیل کے لیے آپ نے رجال کار کی تیاری اور تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی تحریک کے نتیجے میں حق و باطل کے درمیان کشمکش کا آغاز اگرچہ مغل شہنشاہ جلال

الدین محمد اکبر کے دور میں شروع ہو چکا تھا لیکن آپ کی دعوتی کوششوں کا نقطہ عروج جہانگیر کا دور ہے جب ۱۰۲۷ھ میں آپ کے داعی پوری دنیا میں پھیل چکے تھے۔ آپ نے اپنے بہت سے خلفاء کو تبلیغ و ہدایت کے لیے مختلف مقامات کی طرف روانہ فرمایا۔ ان میں سے ستر (۷۰) مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ترکستان کی طرف روانہ کئے گئے۔ چالیس (۴۰) حضرات مولانا فرح حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس (۱۰) تربیت یافتہ حضرات مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس (۳۰) خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراسان کی طرف گئے۔ اور ان تمام حضرات کو اپنے مقامات پر زبردست کامیابیاں حاصل ہوئیں۔^(۲) حضرت مجدد کے خلیفہ اجل حضرت خواجہ محمد معصوم اور سید آدم بنوری اور ان کے مخلص اور با عظمت خلفاء اور جانشینوں کی کوششیں بار آور ہوئیں اور رفتہ رفتہ ہندوستان بارہویں صدی ہجری میں پوری دنیا اسلام کا روحانی اور علمی مرکز بن گیا۔ مجددی خانقاہیں اور ان کے قائم کردہ مدارس سے ایک عالم نے فیض اٹھایا جس کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اگر داعی مدعو کی زبان، ان کی ثقافت اور کلچر سے واقف ہو تو اس کے لیے دعوت کا کام آسان ہو جاتا ہے اور اگر داعی انہی میں سے ایک فرد ہو تو مدعو کے لیے اجنبیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی کوششوں میں بھی یہ حکمت عملی بھی بڑی نمایاں ہے کہ آپ نے مختلف علاقوں کی طرف جو مبلغ اور دعاۃ روانہ فرمائے ان میں سے اکثر لوگ یا تو انہیں علاقوں سے تعلق رکھتے تھے یا پھر وہ ان علاقوں کی زبان اور لوگوں کے پس منظر سے پوری طرح واقف تھے جس کی وجہ سے ان کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ بہت سے علماء و مشائخ جو اپنے علاقوں میں احترام کے حامل تھے آپ نے انہیں بیعت و خلافت کے بعد ان کے اپنے علاقوں کی طرف روانہ فرمایا، ان میں شاہ بدخشاں کے معتمد علیہ شیخ طاہر بدخشی، طالقان کے جید شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابی، شیخ احمد برسی، مولانا یار محمد، اور مولانا یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ان میں سے اکثر حضرات کو خلافت و اجازت عطا فرما کر اپنے اپنے علاقوں اور مقامات کو واپس بھیج دیا، اسی طرح آپ نے پورے ہندوستان کے کونے کونے میں اپنے داعی روانہ فرمائے۔^(۳)

2- مسلم ریاست میں طریق دعوت و تبلیغ

ایک مسلم ریاست میں دعوت دین کا محفوظ اور بہترین طریقہ کیا ہے؟ ایک داعی کا ہدف اقتدار ہے یا صاحب اقتدار؟ شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی زندگی کا یہ پہلو آج کے وارتان محراب و منبر، پیران طریقت اور داعیان اسلام کے خصوصی توجہ کا متقاضی ہے، جو اقتدار اور جاہ و منصب کے

لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں۔ شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ نے انقلاب کی بجائے اصلاح کا اسلوب اختیار فرمایا۔ ایک ایسے دور میں جب آپ ہر اعتبار سے درجہ کمال پر تھے، اور جہاں گیر نے آپ کو قید کر لیا۔ اگر آپ چاہتے تو جہاں گیر کا تختہ الٹ سکتے تھے، لیکن آپ نے اپنے صاحبزادگان اور مریدین کو صبر کی تلقین کی۔ اگرچہ اقتدار کے مصاحبین داعی کو اقتدار کے لیے خطرہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ سازش داعی کی بے لوثی سے بے نقاب ہو جاتی ہے اور اگر صاحب اقتدار میں فطری سلامتی کی معمولی رفق بھی ہو تو وہ بہت جلد ایک سچے داعی کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوتی حکمت عملی میں یہ بات بڑی واضح تھی کہ آپ ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوتی خطوط میں ان کو قبول اسلام کی صورت میں اقتدار کی سلامتی کی ضمانت مرحمت فرمائی۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی زندگی میں بھی یہ پہلو نکھر کر سامنے آتا ہے۔ آپ نے کرسی اقتدار کو اپنا ہدف بنانے کی بجائے صاحب اقتدار کی اصلاح کو اپنا مطمع نظر بنایا۔ آخر کار جہاں گیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے آپ کو پورے وقار کے ساتھ رہا کرنے کا حکم دیا اور بادشاہ جس شخص کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا تھا خود اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے اسلوب دعوت سے یہ نمایاں ہے کہ داعیان اسلام کا اصل مقصد اور ہدف معاشرے کی اصلاح اور لوگوں کا تزکیہ نفس ہے، اقتدار ان کی دعوت کا نتیجہ تو ہو سکتا ہے ہدف نہیں ہے۔

3- مقتدر طبقہ بطور دعوتی ہدف

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ نے ”الْأَنسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ“ کے اصول کے مطابق جن سیاسی شخصیات کو خاص طور پر خطوط صادر فرمائے اور ان کی اصلاح کی راہ سے بادشاہ، امراء اور دیگر عمائدین حکومت کی اصلاح کا قصد فرمایا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے طرز عمل سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ داعی کا ایک اہم ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ معاشرے میں صاحبان اقتدار میں سے سلیم الفطرت انسانوں کی کھوج میں خصوصی محنت کرے، کیونکہ ایسے لوگوں کو تھوڑی سی محنت سے جادہ مستقیم پر گامزن کیا جاسکتا ہے، اور پھر ان کی وساطت سے دیگر لوگوں کی اصلاح کچھ مشکل نہیں رہتی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ قدس سرہ العزیز نے میرزا عبد الرحیم خان خاناں کے نام تیرہ مکتوب ارسال فرمائے۔ میر محمد نعمان بدخشی کے نام حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے اب تک دستیاب ہونے والے مکتوبات کی تعداد تینتیس (۳۳) ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے جن امراء دربار اور اراکین سلطنت کے نام دعوتی خطوط لکھے ان میں خان اعظم، مرزا عزیز الدین، خان جہان خاں لودھی،

خان خانان مرزا عبدالرحیم، مرزا دراب، قلعج خاں، اور سید فرید بخاری وغیرہ تھے۔ حضرت مجددؑ کے خطوط کی بڑی تعداد سید فرید بخاریؒ کے نام ہے، جو اکبری دور اور بعد ازاں جہانگیر کے دور میں دربار میں خاص اثر و رسوخ کے مالک تھے۔

داعی اپنی دعوتی کوششوں کا ہدف ہر طبقے کو بناتا ہے، تاہم عام لوگ سوسائٹی کے سرکردہ افراد کو ہمیشہ رول ماڈل (Role Model) کے طور پر دیکھتے ہیں، اس لیے داعی کو سوسائٹی کے موثر افراد پر خصوصی محنت کرنی چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی جو خصوصی دعا فرمائی، تو اس کا اصل منشا بھی یہی تھا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے اسلوب دعوت میں یہ چیز بڑی نمایاں ہے کہ آپؑ کے لکھے گئے دعوتی خطوط کی بڑی تعداد وہ ہے جن میں آپؑ نے امراء اور معاشرے کے سرکردہ افراد کو اپنا مخاطب بنایا ہے۔ اور ان کے سماجی اثر و رسوخ کی آڑ میں اصلاح احوال کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔

4- دستیاب وسائل دعوت کا بھرپور استعمال

مجدد رحمہ اللہ علیہ کے اسلوب دعوت کا ایک اور پہلو جو دعوتی تحریکوں اور ان کے کارکنان کے لیے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ صرف وہی داعی اپنے مشن میں کامیاب ہوتا ہے جو اپنے دور کے وسائل دعوت کو اپنے مشن کی کامیابی کے لیے احسن انداز میں استعمال کرتا ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے ایک طرف اگر اپنے ذاتی کردار سے خلق خدا کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کیا ہے تو دوسری طرف آپؑ نے دعوتی خطوط کو اپنی تبلیغ کے لیے ایک موثر ترین ذریعے کے طور پر اختیار فرمایا، گویا آپؑ نے اپنے دور کی ”میڈیاوار“ میں دعوتی خطوط کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ صرف وہی داعی اپنے مشن میں کامیاب ہوتا جو اپنے دور کے مزاج، زبان اور محاورے سے اچھی طرح واقف ہو اور لوگوں کو اس اسلوب میں مخاطب کرے جو ان کے لیے اجنبی نہ ہو۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے اس اسلوب کا خوب لحاظ کیا، آپؑ کے دعوتی مکتوب فارسی اور عربی زبان کے خوبصورت نثر پارے ہیں، جو اس دور کی زندہ زبانیں تھیں، اور آپؑ نے لوگوں کو جس محاورے میں مخاطب کیا ہے، اس دور کا سکھ رائج الوقت وہی تھا۔ دور حاضر میں داعیان اسلام کے لیے یہ اسلوب خاص طور پر قابل توجہ ہے جو نہ صرف اپنے مخاطبین کی زبان اور محاورے سے ناواقف ہیں بلکہ اس فکری پس منظر سے بھی نااہل ہیں جس میں آج کی نئی نسل کی ذہنی تشکیل ہو رہی ہے، اور یہی چیز ان کی دعوت کے غیر موثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ

ہے۔ دورِ حاضر میں وارثانِ محراب و منبر پر اصحابِ کھف کی مثال صادق آتی ہے، جن کی زبان اور سکہ دونوں لوگوں کے لیے اجنبی تھے۔

عدم تشدد کے ذریعے اپنی بات منوانا دورِ حاضر کا ایک معروف فلسفہ ہے، سابق امریکی صدر بارک حسین اوباما کی کامیابی کے پیچھے کالی نسل کے امریکیوں کی پچاس سالہ عدم تشدد پر مبنی تحریک ہی کارفرما رہی ہے۔ عام طور پر مہاتما گاندھی کو ”تحریک عدم تشدد“ کا بانی کہا جاتا ہے، لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو کہ جس طرح حضرت مجدد کو ”دوقومی نظریہ“ کا بانی کہا جاتا اسی طرح آپؐ بجا طور پر ”تحریک عدم تشدد“ کے بھی بانی ہیں۔ آپ رحمہ اللہ علیہ نے ریاست سے ٹکر لیے بغیر جس طرح اپنے مشن کی تکمیل فرمائی، یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ گاندھی جیسا قوم پرست لیڈر جس کی بڑی صغیر کی تاریخ پر گہری نظر ہو اور جو اکبر کا قدر دان بھی ہو، وہ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی تحریک دعوت اور اس کے اثرات سے آگاہ نہ ہو؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ گاندھی نے عدم تشدد کا سبق حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی تحریک ہی سے اخذ کیا ہے۔

5- عصری فتنوں کا درست ادراک

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے تجدید و احیائے دین کا عظیم الشان کارنامہ جس دور میں انجام دیا، اگر ہم اس دور کا تنقیدی جائزہ لیں تو یہ افسوس ناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ بعض جاہل، صوفیہ کے لبادے میں عوامی سطح پر اس غلط فہمی کو پھیلا رہے تھے کہ شریعت اور طریقت دو متوازی دھارے ہیں اور ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے اس گمراہ کن نظریہ پر کاری ضرب لگائی اور اس بات کو اپنے دعوتی مشن کا بنیادی نقطہ قرار دیا کہ شریعت اور طریقت ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ ایک مکتوب میں حضرت میر نعمانؒ کو چند نصیحتیں کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے اس سلسلے کا دار و مدار دو باتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کریں کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کو بھی ترک نہ کریں اور دوسری بات یہ کہ شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہو جائیں کہ شیخ پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں بلکہ شیخ کی تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں محبوب ہوں۔ سنت کے ترک کرنے پر بھی نصیحت فرمائی کہ سنت کی قضا کریں۔⁽⁴⁾ ذکرِ جہر کے متعلق سوال ہوا کہ آپ ذکرِ جہر سے منع کیوں فرماتے ہیں تو میر نعمانؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طریقہ پر اور دوسرا عرف اور عبادت کے طور پر۔ جو عمل عبادت کے طریق پر ہو، اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ ہے

اور جو بات عرف اور عادت کے طور پر ہے، اس کو بدعت نہیں کہتا۔⁽⁵⁾ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ سالک کے لیے نماز کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سالکوں کو سب سے زیادہ فائدہ اور حصہ نماز کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ نمازی جب نماز ادا کرتا ہے تو اس دنیا سے نکل کر عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اگر نماز کی حقیقت معلوم ہو جائے تو انسان ہر گز سماع و نغمہ کی طرف توجہ نہ کرتا اور نہ ہی وجد کی حالت اس پر طاری ہوتی۔⁽⁶⁾ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی نظر میں سالک کی ترقی کا معیار شریعت پر عمل اور تعلیم طریقت پر ہے نہ کہ کرامات و خوارق کے ظہور پر۔ میر نعمانؒ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ کرامات و خوارق ولایت کی شرط نہیں ہیں۔ جس طرح علماء کرامات کے حصول کے مکلف نہیں ہیں، اسی طرح اولیاء بھی کرامات کے مکلف نہیں ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ولایت قرب الہی سے عبارت ہے۔ یہ تمام خوارق و کرامات اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔ کرامات حرف یقین کی تقویت کے لیے ہیں اور جس آدمی کو خالص یقین دیا گیا ہے اس کو ان کرامات کی حاجت نہیں ہوتی اور یہ تمام کرامات ذکر ذات سے کمتر ہیں اور اسی طرح جو ہر قلب سے بھی کمتر ہیں۔^(۷)

6- دستیاب مواقع کا بھرپور استعمال

حضرت شیخ مجدد کی دعوتی زندگی سے ایک اور اسلوب جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح ایک داعی بدترین حالات میں بھی دستیاب مواقع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور دلوں کی زمین کو دعوت کے بیج کی تھم ریزی کے لیے ہموار کر لیتا ہے۔ بعض غلط فہمیوں کی بنا پر جب جہانگیر نے حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کو قید خانے میں ڈال دیا تو ایام اسیری میں حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت کو اس طرح زندہ کیا کہ سینکڑوں قیدی آپ رحمہ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور ان میں سے بہتوں نے آپ رحمہ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ڈاکٹر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ اپنی کتاب (The Preaching of Islam) میں لکھتے ہیں:

”شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵-۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد دنامی تھے، جو شیعہ عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے، شیعوں کو اس وقت دربار میں جو رسوخ حاصل تھا، ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انہیں قید کر دیا، دو برس وہ قید میں رہے، اور اس مدت میں انہوں نے اپنے رفقاء زنداں میں سے سینکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنالیا۔“^(۸)

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of religion and

Ethics) میں ہے:

”ہندوستان میں سترھویں صدی عیسوی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد رحمہ اللہ علیہ ہے، جو ناحق قید کر دیے گئے تھے، ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی بت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔“ (۹)

قید سے رہائی کے بعد بھی آپ نے بڑی دانائی سے دعوت و تبلیغ کے مواقع پیدا فرمائے۔ جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے کہ میں نے حضرت کو خلعت اور ہزار روپیہ خرچ عنایت کیا، اور ان کو جانے اور ساتھ رہنے کا اختیار دیا لیکن انہوں نے ہمرکابی کو ترجیح دی۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے دعوت و اصلاح کے لیے اس موقع کو غنیمت جانا آپ اپنے صاحبزادگان کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں: اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔ (۱۰) آپ شاہی لشکر کے ساتھ تقریباً ساڑھے تین سال تک رہے۔ آپ نے اپنی بے لوث دعوت سے شاہی دربار اور پوری لشکر گاہ کو خانقاہ میں تبدیل کر دیا۔ جہانگیر پر تو اس کا اثر یہ ہوا کہ نور جہاں، جو نہ صرف سلطنت کی ملکہ تھی بلکہ جہانگیر کے دل کی بھی ملکہ تھی، اپنی تمام ترکفر سمانیوں کے باوجود اسے شیعیت کی طرف مائل نہ کر سکی۔ جہانگیر کے اندر نئے دینی رجحان پیدا ہوئے، اس نے منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر، اور مفتوحہ علاقوں میں دینی مدارس کے قیام میں دلچسپی ظاہر کرنا شروع کی۔ ۱۰۳۱ء میں قلعہ کانگڑا کی فتح کے موقع پر اس نے جس طرح اپنی اسلامیت کا اظہار کیا اور وہاں شعائر اسلام کا اجراء کرایا، اس سے بھی جہانگیر کے اندر آنے والی مذہبی تبدیلی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (۱۱) مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود جہانگیر نے یہ چاہا کہ دربار میں ہر وقت چار ایسے علماء حاضر رہیں جو مسائل شرعیہ کی وضاحت کریں اور ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے۔ (۱۲) شاہی خاندان اور درباری امراء کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے تعلقات اس قدر خوش گوار ہوئے کہ اس کے اثرات عالمگیر کی وفات تک واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتا تھا، (۱۳) بادشاہ نے متعدد بار حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سے درخواست کی کہ وہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہا کریں، لیکن انہوں نے منظور نہ کیا، اور اس کے بجائے اپنے فرزند گرامی خواجہ سیف الدین کو دہلی بھیج دیا۔ مکتوبات معصومیہ میں مکتوب نمبر ۲۲۱ اور مکتوب نمبر ۲۴۷ بادشاہ کے نام ہیں جبکہ مکتوبات

سیفیہ میں اٹھارہ مکتوب بادشاہ کے نام ہیں، جن سے بادشاہ کے مجددی خاندان سے قریبی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

7- دعوتی کوششوں کی بار آوری کا انتظار

ایک داعی کو عام آدمی کی نسبت زیادہ بردبار اور متحمل مزاج ہونا چاہیے۔ جس طرح فصلوں کے موسم ہوتے ہیں اسی طرح دلوں کے بھی موسم ہوتے ہیں جو بات ایک وقت میں کسی انسان یا سوسائٹی کے لیے اجنبی اور غیر مانوس ہوتی ہے کسی دوسرے وقت میں وہی چیز ان کی نظر میں تریاق سے بڑھ کر ہوتی ہے اس لیے داعی کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرنا بڑا ضروری ہے۔ اس پہلو سے شیخ مجدد کی دعوتی زندگی ہماری خصوصی توجہ کی مستحق ہے، آپؑ نے دعوت کے بیج کی ختم ریزی کے لیے بڑے تحمل کے ساتھ مناسب اور موزوں وقت کا انتظار کیا، اگرچہ شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ اپنی تجدیدی اور دعوتی کوششوں کا آغاز ۹۹۸ھ میں اس وقت کر چکے تھے جب آپؑ عہد اکبری میں آگرہ تشریف لائے، اس دور میں ملا مبارک اور اس کے بیٹوں (ابوالفضل اور فیضی) کا طوطی بولتا تھا، تاہم وہ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے مقام و مرتبے سے پوری طرح آگاہ تھے۔^(۱۴) بادشاہ اکبر کا انتقال ۱۰۱۳ھ میں ہوا، اس وقت حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی عمر ۴۳ سال تھی اور درباری امراء سید صدر جہاں، خان خاناں اور مرتضیٰ خان وغیرہ کے ذریعے بادشاہ تک آپؑ کے نصیحت آمیز پیغامات پہنچ چکے تھے، تاہم آپؑ نے کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں فرمایا اور دعوت و تبلیغ میں بڑی حکمت کے ساتھ تدریج کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے قدم بقدم آگے بڑھتے رہے، بالآخر حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے زیر اثر امراء کا ایک ایسا مضبوط حلقہ قائم ہو گیا، جنہوں نے یہ عہد کیا کہ مستقبل میں اسی شہزادے کی حمایت کریں گے جو ملک میں اسلامی شریعت کی بحالی کا وعدہ کرے گا، چنانچہ جہانگیر نے یہ عہد کیا اور ان کی کوششوں سے وہ اکبر کا جانشین ہوا۔ حضرت مجددؑ کے زیر اثر امراء کی وجہ سے ہی شہزادہ خسرو بادشاہ نہ بن سکا۔ بعد کے دور میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر کی بظاہر سیاسی کشمکش کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، یہ دراصل حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی فکر سے اکبر کی فکر کا فیصلہ کن ٹکراؤ تھا جس میں شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ کی فکر کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اکبری دور میں شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی حکمت عملی کو مکی عہد نبوت کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے جب رسول اللہ ﷺ صبر و تحمل کے ساتھ دارِ ارقمؓ اور بعد ازاں شعب ابی طالب میں داعیان اسلام کی تربیت میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اور ان کو مختلف قبائل عرب کی طرف داعی اور مبلغ بنا کر بھیج رہے تھے، جن کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں عرب کا کوئی گھرانہ اسلام کی

برکات سے محروم نہ رہا۔ شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ کی اس حکمتِ عملی کے حقیقی اثرات اور ثمرات بھی بعد کے دور میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

8- کارکنانِ دعوت کی دستگیری اور حوصلہ افزائی

داعی کے لیے وہ مرحلہ بڑا صبر آزما ہوتا ہے جب کچھ لوگ بلاوجہ اس پر طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ اس مرحلہ پر صرف وہی مصلح اور داعی جادۂ مستقیم پر گامزن رہتا ہے جس کو یہ مشن اپنی عزت و آبرو اور جان و مال سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ دعوت تو حق کی دی جا رہی ہو اور شیطان اس کے مقابل اپنے چیلوں کو کھڑا نہ کرے۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب داعی کی استقامت سلیم الفطرت انسانوں کے دلوں پر لگے ہوئے قفل کو توڑ کر ان پر حق کو آشکار کر دیتی ہے۔ لہذا ایسے مواقع پر مصلح کو صبر سے کام لینا چاہئے۔ ایک ایسے ہی موقع پر جب اہل خسران نے حضرت میر محمد نعمانؒ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا اور آپ کو اس کا شدید رنج پہنچا، جس کا ذکر انھوں نے حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ سے کیا تو حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے ان کی طرف ایک مکتوب صادر فرمایا اور ان کو تسلی دی کہ آپ لوگوں کے طعنوں کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ اس مشن پر گامزن رہیں جو آپ کے ذمے لگایا گیا ہے۔ پھر آپ حضرت میر نعمانؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ کے لائق ہے کہ ان کے بدلے اور مکافات کے درپے نہ ہوں۔ دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہے ان کی متناقض باتیں ہی ان کے بازار کی رونق کو کم کر دیں گی۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ (۴۰/۲۴) جس کے لیے اللہ نے کوئی نور نہیں بنایا اس کے لیے کوئی نور نہیں۔ (وہ شغل جو درپیش ہے اس میں کوشش کریں اور اس کے غیر سے آنکھیں بند کر لیں۔“ (۱۵)

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کو اپنے دعوتی مشن سے کس قدر تعلق خاطر تھا اس کی وضاحت ایک دوسرے مکتوب سے ہوتی ہے، جس کی عبارت سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت میر نعمانؒ اس بات سے پریشان تھے کہ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کو ان کی کسی بات سے دکھ پہنچا ہے اور ان کی دلازاری ہوئی ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے ان کے ان شکوک و شبہات کو دور کیا اور کہا کہ ان کو ان کی کسی بات سے آزار نہیں پہنچا کیونکہ انسان سے اگر بقاضائے بشریت کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لہذا آزار کا وہم دل سے دور کر کے طریقت کی تعلیم دینے اور طالب علموں کی تربیت میں اپنا دھیان دیں۔ (۱۶)

داعیان اسلام کا فقر و فاقہ میں مبتلا ہونا کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس راہ پر چلنے والے مصائب و آلام سے کم ہی محفوظ رہ پاتے ہیں۔ جب داعی پر ”الفقر فخری“ کی حقیقت کھل جاتی ہے تو پھر وہ فقر و فاقہ میں بھی ایک طرح کا کیف و سرور محسوس کرتا ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کو جب میر نعمانؒ اور ان کے ساتھیوں کی مالی پریشانیوں کی خبر ملی تو ان کی طرف جو مکتوب شریف روانہ فرمایا۔ اس میں لکھا کہ فقر و نامرادی ہی اس گروہ صوفیہ کا اصل حسن ہے اور اسی میں حضور ﷺ کی حقیقی اقتداء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے رزق کا ذمہ اپنے اوپر لیا ہے اور انسان کو اس فکر و تردد سے فارغ کر دیا ہے۔ لہذا ان کو نصیحت کی کہ رزق کا غم رازق کے حوالے کر کے اس کے کام میں مشغول ہو جائیں۔ (۱۷) آپؐ ایک دوسرے مکتوب میں اپنے ذاتی احوال بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ان پر اس راہ طریقت میں سختیاں آئیں اور کن کٹھن حالات میں انہوں نے یہ راہ کاٹی اور وہ درمیان میں بھنس کر رہ گئے، یہاں تک کہ ناامیدی کے دروازے پر دستک دینے لگے اور پھر اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے عین بلا کے اندر عافیت بخشی اور سختی کی حالت میں مجھ پر احسان فرمایا۔ اور پھر آپؐ نے میر صاحب کو یہی تعلیم دی کہ راستے کی تکلیفوں سے گھبرا جانے والے منزل مقصود پر نہیں پہنچتے۔ اس کے لیے صبر اور حوصلے سے کام لینا ضروری ہے۔ (۱۸) حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے ایک دوسرے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحبؒ نے ان سے خلافت کے لیے تحریری اجازت نامہ طلب کیا تھا، یہ چیز چونکہ دعوت کے اس عظیم مشن کے مقابل پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی تھی اس لیے آپؐ نے میر صاحب کو لکھا:

”اجازت نامہ کے لکھنے میں آپ جو اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں، اس سے آپ کا مقصود کیا ہے؟ طریقہ تعلیم کرنے کی آپ کو جو اجازت دی گئی ہے اگر وہ کافی نہیں تو اجازت نامہ کیا کرے گا؟ یہ لازم نہیں کہ جو کچھ دل میں گزرے اسی کے واسطے کوشش کرنے لگ جائیں۔ نفس بڑا ضدی ہے، جس کام کے پیچھے لگ جائے، اس کے پورا کرنے کے پیچھے لگ جاتا ہے۔“ (۱۹)

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ کہ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی نظر میں ایک سچے داعی کو ہر طرح کی مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ ہر دور میں اہل اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اور جو لوگ دعوت کی راہ میں روڑے اٹکائیں ان سے بدلے کی ٹھان لینے کے بجائے مصلح اور مربیؒ کو اپنے مشن پر گامزن رہنا چاہیے۔

[illegible]

ایک مکتوب میں حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ، خانِ خانان کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی کتب کے مطالعہ سے احتراز کرنا چاہیے جو صوفیہ کے مکشوفات و الہامات پر مبنی ہوں، کیونکہ ہر قاری کے لیے اصل حقائق تک آسانی سے رسائی ممکن نہیں۔ اس لیے اربابِ اختیار کو فتوحاتِ مکیہ (ابن عربیؒ) کی بجائے فتوحاتِ مدنیہ (احادیثِ نبویہ) کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ آپ مکتوب الیہ کو دعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فتوحات مکیہ مفتاح فتوحات مدنیہ ماد۔ یعنی فتوحات مکیہ فتوحات مدنیہ کی کلید ہو۔“ (۲۱)

حضرت میر نعمانؒ اگرچہ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے مرید تھے لیکن حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے ان کی طرف جو مکتوبات صادر فرمائے ان میں آپؒ کو بڑے احترام کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے میر نعمانؒ کے لیے جو محبت بھرے الفاظ استعمال کئے ہیں وہ نا صرف اپنے مریدین سے آپؒ کے تعلق خاطر کو واضح کرتے ہیں بلکہ اس اسلوب مخاطب میں عصر حاضر کے داعیان اسلام کے لیے بھی قابل اتباع نمونہ ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کبھی تو ان کو ”اے برادر!“

کے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں اور کبھی ان سے محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں ”میرے سعادت مند بھائی یعنی سیادت پناہ میر محمد نعمانؒ کا مکتوب شریف وصول ہوا۔“ (۲۲) اور کبھی ان کو اس انداز میں دعا دیتے ہیں ”میرے سیادت پناہ عزیز بھائی میر محمد نعمانؒ جمعیت سے رہیں۔“ (۲۳) ”سیادت مآب میرے عزیز بھائی میر محمد نعمانؒ خوش رہیں۔“ (۲۴) اور پھر کبھی محبت بھرے انداز میں شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”شاید حضرت میر صاحبؒ نے ہم کو فراموش کر دیا ہے کہ کبھی سلام و پیام سے یاد نہیں فرمایا۔“ (۲۵) تعلیم و تربیت اور اصلاح احوال کے لیے حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں جس انداز میں اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہیں وہ براہ راست دل پر دستک دینے والا ہے اور شاید اسی اسلوب کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے دور حاضر کے داعیان اسلام کی کوششیں پوری طرح بار آور نہیں ہو پا رہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ داعی کے لیے اصلاح احوال اور تربیت کا اولین اصول یہ ہے کہ مدعو اور مخاطب کی عزت نفس مجروح نہ ہونے پائے کیونکہ مصلح اور مربی کا کام صرف اسی صورت میں آسان ہو سکتا ہے جب وہ اپنے مخاطب کے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے اور اپنی بات اس دلسوزی، خلوص نیت اور لہجیت سے پیش کرے کہ مخاطب کے دل کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جائیں۔ داعی اعظم ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی دعوتی کوششوں میں اس نفسیاتی اصول کی کار فرمائی کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

10- شیخ مقتداء کا اصل کردار

حضرت شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ میر نعمانؒ کے نام ایک مکتوب میں شیخ مقتداء کا اصل کردار اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر شیخ کسی مرید کو کسی مصلحت کے پیش نظر مقام شیخی کی اجازت دیں تو اس کے احوال پر پوری طرح نظر رکھیں اور اس کی غلطیوں پر فوری مطلع کریں اور اگر اس معاملے میں شیخ سستی کا مظاہرہ کرے گا تو یہ سراسر خیانت ہے۔ (۲۶) ایک مکتوب میں میر صاحبؒ کو نصیحت فرمائی کہ اپنے مریدین پر پوری طرح توجہ اور نظر رکھیں یہ نہ ہو کہ مرید اسباق میں ترقی حاصل کر لیں اور شیخ اپنی جگہ پر رک جائے اور مرید کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ میں کامل ہو گیا اور اب مجھے شیخ کی ضرورت نہیں اور یہی بات مرید کے لیے خطرناک ہے۔ اس لیے ان کے احوال پر پوری نظر رکھیں اور ان کو بھٹکنے سے بچائیں اور ان کے اندر اس بات کی حیا پیدا کریں کہ شیخ ہمیشہ شیخ ہے اور اس کی اتباع اور تابعداری ان پر لازم ہے۔ یہ نہ ہو کہ آپ کی خاموشی الٹا آپ کے لیے ہی باعث شرمندگی بن جائے۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ طریقہ نقشبندیہ کے علاوہ کسی طالب کو کوئی اور طریقہ نہ سکھائیں تاکہ دو طریقے

آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ (۲۷) گویا حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی نظر میں شیخ مقتدا کی ذمہ داری دوہری ہے، ایک طرف تو وہ رجال کار کی تیاری کا خاص اہتمام کرے اور دوسری طرف ان کے احوال پر بھی نظر رکھے اور ان کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ انسان خطا کا پتلہ ہے اور اس سے غلطی کا سرزد ہونا ایک فطری امر ہے، اس لیے داعی کا افراد سے اعلیٰ ترین کردار کی توقع کرتے ہوئے ان کا محاسبہ کرنا اور ان سے اظہارِ نفرت کرتے ہوئے ان کو بالکل ہی چھوڑ دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے دعوت کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ غلطیوں کی اصلاح دعوت و تبلیغ کا لازمی حصہ ہے اور یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی کی ایک صورت ہے، اور اس کی بہترین شکل یہ ہے کہ شیخ اپنے مریدین اور شاگردوں کے سامنے اپنے آپ کو ایک مثالی نمونے کے طور پر پیش کرے، تا مصلح اور مربی بھی انسان ہے اور اس سے غلطی کا سرزد ہونا عین انسانی فطرت ہے۔ غلطی کا وقوع اس قدر خطرناک نہیں جس قدر غلطی کا عدم شعور ہے اور اس سے بھی زیادہ خطرناک یہ ہے کہ انسان اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر اس پر ڈٹ جائے۔ یہ رویہ انسان کی روحانی ترقی کے لیے انتہائی تباہ کن ہے۔ ایک ایسے موقع پر جب بعض حلقوں میں حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے رسالہ ”مبداء و معاد“ کی عبارات سے اضطراب پیدا ہوا تو آپ نے اپنے ان ملفوظات سے باقاعدہ رجوع کا اعلان فرمایا جن کے مطابق اولو العزم انبیاء کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے حوالے سے لکھا گیا تھا۔ آپ نے اپنے ان ملفوظات کے بارے میں فرمایا کہ چونکہ یہ محض کشف و الہام پر مبنی تھے۔ اس لیے ان کے لکھنے اور فضیلت میں تفرقہ کرنے سے توبہ کرتا ہوں کیونکہ قطعی دلیل کے سوا اس بارے میں گفتگو کرنا جائز نہیں۔ (۲۸)

11- حقیقی تبدیلی کے لیے نقطہ آغاز

سماجی تبدیلی کے لیے دعوت کا مرکزی ہدف طبقہ عوام ہے یا اشرافیہ۔ یعنی تبدیلی اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہے یا نیچے سے اوپر کی طرف، یہ سوال جس قدر اہم ہے اسی قدر سنجیدہ تجزیے کا متقاضی بھی ہے۔ دورِ حاضر میں بہت سی اسلامی تحریکوں کی تگ و دو اور طرزِ عمل کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، اور اسی پس منظر میں ان کے اثرات و نتائج کی وسعت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی تحریکِ دعوت کو اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے ایک طرف تو طبقہ عوام کی تعلیم و تربیت اور اصلاحِ احوال کی طرف بھرپور توجہ فرمائی اور دوسری طرف کرسی اقتدار کی بجائے امراء اور اشرافیہ کو اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی کوششوں کے نتیجے میں معاشرے کے سرکردہ لوگوں نے اپنی دینی دلچسپیوں کا اظہار کیا تو

سلاطین، امراء اور حکومتی عہدداروں کا احتساب اور ان کو نصیحت کرنا جان جو کھوں کا کام ہے، لیکن یہ کام جس قدر مشکل ہے اسی قدر ضروری بھی ہے اس لیے کہ عوام الناس معاشرے کے سرکردہ افراد اور ان کے طرزِ عمل سے نہ صرف براہِ راست متاثر ہوتے ہیں بلکہ ان کو نمونہٴ عمل بھی بنالیتے ہیں۔ اس لیے ایک داعی کو ہر طرح کے تحفظات سے بلند ہو کر بڑی حکمت کے ساتھ یہ فریضہ انجام دینا چاہیے۔ کیونکہ اعلیٰ منصب پر فائز کسی ایک انسان کی اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بہت سارے انسانوں کی اصلاح کا سامان کر لیا ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے دعوت کے اس اسلوب کو جس حکمت کے ساتھ برتا ہے، وہ داعیانِ اسلام کے لیے خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ میرزا عبد الرحیم خان خاناں صاحبِ ثروت اور سلطنتِ مغلیہ کے رکنِ رکن ہونے کے باوصف اہل اللہ اور درویشوں کے خدمت گاروں میں تھے مگر ان کے اندازِ تحریر سے تحکم اور تکبر کی بو آتی تھی۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ ایک مکتوب میں ان کو تواضع اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[illegible]

تکبر دراصل ایک روحانی اور اخلاقی مرض ہے جس کا علاج تواضع اور انکساری ہی سے ممکن ہے۔ تواضع، غرباء کا اظہارِ حال اور امراء کے لیے باعثِ کمال ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست گداگر تواضع کند خوئے اوست

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی پرسوز نصیحت کے جو اثرات مکتوب الیہ پر مرتب ہوئے اس کی نشاندہی حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے ایک دوسرے مکتوب سے ہوتی ہے۔ جب خان خانان نے اس پر خلوص نصیحت کے نتیجے میں تواضع اختیار کرتے ہوئے اپنے رویے کو بالکل تبدیل کر لیا تو حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

”چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کا لحاظ رکھا ہے اور باتوں میں تواضع اختیار کی ہے۔ اس کے مطابق: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ، (جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ اسے بلندی اور رفعت اختیار کرتا ہے۔) امید ہے آپ کا یہ عجز و تواضع آپ کی دینی و دنیوی رفعت کا سبب بنے۔“ (۳۰)

12- وحی اور عقل کے حدود

شیطان کے بڑے جالوں میں سے ایک جال یہ ہے کہ وہ امورِ شرعیہ کے بارے میں انسان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی تو یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ اسلامی احکام خلافِ عقل ہیں، عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں، اور ان پر عمل کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے خان خانان کے نام ایک تفصیلی خط اس مضمون کا صادر فرمایا کہ امورِ شرعیہ میں پوری آسانی اور سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے مقیم و مسافر، مریض و تندرست اور مرد و زن دونوں کے دائرہ کار اور نفسیات کے مطابق تعلیمات دی گئی ہیں۔ اب اس اہتمام کے بعد بھی جو شخص عمل نہ کرے وہ حقیقتِ ایمان سے محروم ہے۔ (۳۱)

اس میں کیا شک ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ دینِ عقل بھی ہے لیکن کون سی عقل معیارِ حق ہوگی؟ یہ ایک اہم سوال ہے، حقیقت یہ ہے کہ عقل ایک ایسا کمزور اور بے بس راہنما ہے جس کو انسانی خواہشات اور جذبات نے ہمیشہ اپنا تابع مہمل بنا کر رکھا ہے، اور عقل نے ہمیشہ انسانی جذبات و خواہشات کے حق میں دلائل تراشے ہیں اور خواہشاتِ نفس اور جذباتی رویوں کو عقلی رویے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ عقل جج نہیں، وکیل ہے۔ جیسا مقدمہ اسے دیا جائے گا اسی کے مطابق وہ وکالت کرے گی۔ یہ ایک ایسی دودھاری تلوار ہے جو دونوں

طرف چلتی ہے اس سے جس طرح دینی حقائق کو ثابت کیا جاسکتا ہے اسی طرح باطل بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ وکیل کی وکالت و ذہانت پر موقوف ہے کہ وہ مقدمہ کے کس پہلو کی تائید یا تردید کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی عقل کا ترازو لے کر آگے بڑھے اور احکام شرعیہ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائے۔ معیار حق عقل نہیں بلکہ وحی ہے۔ اس لیے ایک مکتوب میں حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ، خان خاناں کے نام تحریر فرماتے ہیں:

”جو شخص یہ چاہتا ہے کہ تمام احکام شرعیہ کو عقلی پیمانے پر ناپے اور دلائل عقلیہ کے مطابق کر دے، وہ شانِ نبوت کا منکر ہے اور اس کے ساتھ کلام کرنا کم عقلی و بے وقوفی ہے۔“ (۳۲)

عقل پرستی کا مرض ہر دور میں رہا ہے، مغربی فکر و فلسفے کے زیر اثر یہ دورِ حاضر کا بڑا فتنہ ہے۔ اسلام عقل کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور تفکر فی الخلق پر زور دیتا ہے، اسلام کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اگر کسی حکم کی حکمت وقتی طور پر انسان کی سمجھ میں نہ بھی آئے تب بھی وہ اس پر پختہ ایمان اور یقین رکھے۔ ورنہ ایسے شخص کا ایمان اپنی عقل پر ہو گا نہ کہ نبوت و رسالت پر۔ اسی پس منظر میں شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ نے اسلامی حدود و تعزیرات اور اسلامی احکام کو عقل کے ترازو میں تولنے والے شخص کو شانِ نبوت کا منکر قرار دیا ہے۔ گویا دین یہ ہے کہ: عقل قربان کن پیشِ مصطفیٰ

13- دعوت و تبلیغ اور خدمتِ خلق

دورِ حاضر میں داعیانِ اسلام کی دعوت کے غیر موثر ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا افرادِ معاشرہ کے ساتھ براہِ راست تعلق نہ ہونے کے برابر ہے، ہمارے ہاں عرف عام سے واقفیت اور طبقہٴ عوام کے مسائل سے آگاہی حاصل کرنا اور پھر ان کے حل کی عملی کوشش، دعوتِ دین کے دائرہ سے قطعی باہر سمجھی جا رہی ہے۔ یہ طرزِ عمل رسول اللہ ﷺ کے منہاجِ دعوت سے بہت بڑا انحراف ہے۔ سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقِ خدا سے محبت اور خدمتِ خلقِ دعوتِ دین کے سب سے کارگر ہتھیار ہیں۔ پہلی وحی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ کے اضطراب کو دیکھتے ہوئے حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ان الفاظ میں تسلی دی:

”كَأَلَا وَاللَّهِ لَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَنْصِلُ الرَّجِمَ وَتُحْمِلُ الْكَلَّ“

وَتُكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ“ (۳۳)

”ہرگز نہیں! اللہ کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں،

لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔“

حضرت خدیجہؓ کے یہ الفاظ قبل از اعلان نبوت رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا بڑا خوبصورت اور جامع بیان ہیں، جس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ خدمتِ خلق پہلے ہے اور دعوتِ دین بعد میں۔ اس وقت عیسائی مبلغین اور مشنریز پوری دنیا میں خدمتِ خلق کے نام پر اپنے باطل نظریات کے پرچار میں مصروف ہیں۔ غور کیا جائے تو برصغیر میں صوفیہ کرامؒ نے بلا امتیازِ رنگ و نسل اور مذہب، لوگوں کی خدمت کو اپنا شعار بنایا اور لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ٹھہرے۔ خانقاہی نظام میں مذہبی رواداری اور لنگر کا تصور اس اسلوبِ دعوت کی خوبصورت مثال ہے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کے دعوتی منہج میں بھی اس اسلوب کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ نہ صرف ذاتی حیثیت میں آپ نے مخلوق خدا کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا بلکہ اصحابِ ثروت کو بھی اس طرف توجہ دلائی۔ ہم ان سطور میں صرف چند مثالیں پیش کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے جن سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طرف اگر شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ کی اپنے ارادت مندوں کی روحانی ترقی پر گہری نظر تھی تو دوسری طرف وہ ان کے روزمرہ زندگی کے مسائل سے بھی پوری آگہی رکھتے تھے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ، خانِ خانان کے نام اپنے ایک مکتوب میں ایک ضرورت مند کی سفارش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”سیادت مآب سید ابراہیم آپ کے بلند آستانہ سے قدیمی تعلق و نسبت رکھتا ہے اور آپ کے دعاگووں میں شامل ہے۔ آپ کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ اس کی دستگیری فرمائیں۔ تاکہ اس فقر اور بڑھاپے کے وقت اپنے اہل و عیال میں فراغت اور سکون سے اپنا وقت گزاریں اور آپ کے دونوں جہان کی سلامتی کی دعائیں مشغول رہیں۔“ (۳۴)

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ ایک دوسرے مکتوب میں رقمطراز ہیں:

”میاں شیخ عبدالمومن بزرگ زادہ ہیں اور تحصیل علم سے فارغ ہو کر طریقہ صوفیہ کا سلوک فرماتے ہیں۔ اور سلوک کے ضمن میں عجیب و غریب احوال مشاہدہ کرتے ہیں۔ ضرورتِ انسانی از قسم اہل و عیال ان کو حیران و بے اختیار ناچار کر دیتی ہے۔ اس فقیر نے ناچاری اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے آپ کی جناب کی طرف ان کی رہنمائی کی ہے۔“ ”مَنْ ذَقَّ بَابَ الْكَرِيمِ انْفَتَحَ“ جس نے کریم کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ کشادہ حال ہو گیا۔ (۳۵)

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ ایک اور مکتوب میں خانِ خانان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرنے کے بعد ایک حاجت مند کی سفارش بایں الفاظ فرماتے ہیں:

”دو ضروری اور اہم کام بے اختیار آپ کو تکلیف دینے کا باعث بنے ہیں۔ ایک رنج و آزار کا گمان رفع کرنے کا اظہار، بلکہ آپ سے اور اخلاص کا ہونا۔ اور دوسرا ایک محتاج آدمی کی طرف اشارہ جو فضیلت اور نیکی سے آراستہ ہے اور معرفت اور شہود سے مزین ہے، جو نسب کے لحاظ سے کریم اور حسب کے اعتبار سے شریف ہے۔“ (۳۶)

14- ذاتی مفادات سے بے رغبتی

میرزا عبد الرحیم خانِ خانان سیاسی اعتبار سے معمولی آدمی نہ تھے نہ صرف اپنی خاندانی خدمات کی وجہ سے بادشاہ پران کے گہرے اثرات تھے بلکہ اپنی فطری بہادری، بلند فکری، علماء و صوفیہ سے محبت اور فقراء و مساکین کی دادرسی کی وجہ سے ہر طبقہ میں مقبولیت کی اس سطح پر تھے جس سے زیادہ کا سوچا بھی نہیں جاسکتا، لیکن اس کے باوجود حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے ان کی طرف جو خطوط صادر فرمائے ان میں اس بات کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں ہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہو کہ آپ خانِ خانان کی اس حیثیت سے اقتدار یا ذاتی منفعت کے خواہاں ہوں۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے جس انداز میں اپنے ذاتی طرزِ عمل سے اقتدار سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا اس نے حکمران طبقے، امراء اور اشرافیہ میں آپ کی دعوت کے نفوذ میں اہم کردار ادا کیا۔ غور کیا جائے تو شیخ مجدد رحمہ اللہ علیہ کے خطوط کا مرکزی نقطہ مکتوب الیہ کی اصلاح اور پھر ان کی وساطت سے درباری امراء اور دیگر متعلقین کی اصلاح ہی تھی۔ آپ نے اس مقصد کے لیے ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ مکتوب الیہ کی نظر میں دنیا کا حقیر ہونا پوری طرح واضح ہو جائے اور اس کی وساطت سے دوسرے امراء کی اصلاح اور ان کے دلوں میں اسلامی احکام کی حرمت و عزت کے تصور کو پختہ کیا جائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی اخلاص و للہیت پر مبنی ان کوششوں کے نتیجے میں ایک موقع پر میرزا عبد الرحیم خانِ خانان گورنری کا عہدہ چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔ خانِ خانان کی شخصی وجاہت، مقام و مرتبہ اور عہدہ و اقتدار کے باوجود حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے احقاقِ حق میں کبھی مداہنت، چشم پوشی یا مصلحت کوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ایک موقع پر خانِ خانان کو واضح اور دو ٹوک انداز میں تحریر فرمایا:

”نجات کا راستہ اہل سنت و جماعت کی متابعت ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس گروہ کو اور زیادہ کرے)

اقوال میں بھی، افعال میں بھی، اور احوال و فروع میں بھی۔ کیونکہ نجات پانے والا فرقہ صرف یہی ہے۔ باقی تمام فرقے زوال اور ہلاکت کے کنارے کھڑے ہیں۔ آج کسی کے علم میں یہ بات آئے یا نہ آئے لیکن کل (قیامت) کو ہر ایک جان لے گا، مگر اس وقت جاننا بے سود ہو گا۔“ (۳۷)

حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے ہمیشہ یہ کوشش فرمائی کہ خان خانان کی شخصی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر دربار شاہی سے وابستہ دیگر لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں میرزا عبد الرحیم خان خانان کو اس طرف توجہ دلائی کہ آپ کے ایک فاضل شاعر دوست کے بارے معلوم ہوا ہے کہ انھوں اپنا لقب ”کفری“ اختیار کر رکھا ہے جو کہ کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔ پھر آپ نے خان خانان کو تحریر فرمایا کہ اس شاعر کو میری طرف سے پیغام پہنچادیں کہ اس طرح کا کافرانہ تخلص بدل کر کوئی ایسا اسلامی لقب اختیار کریں جو جامع برکات ہو۔“ (۳۸)

خلاصہ کلام یہ کہ ایک داعی اپنے مشن میں اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب اس کی کوششیں اخلاص پر مبنی ہوں۔ اور یہ کہ دنیوی فوائد سے بے رغبتی داعی کے پیغام کو طبقہ اُمراء میں مقبول بنا دیتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی تحریک تاریخ اسلام کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کو متاثر کیا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ کی دعوتی کوششوں کے نتیجے میں اکبر کے انتقال کے ساتھ ہی ”دین الہی“ بھی موت کی وادی میں داخل ہو گیا، بدعات کا سیلاب رک گیا، اور لوگوں کا رسالت محمدی ﷺ کی ابدیت پر ایمان مستحکم ہوا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے اسلام کی سربلندی کے لیے ہر طرح کے مصائب و آلام کو برداشت کیا اور نبوی اسلوب دعوت کو اپنے عمل سے زندہ کیا۔

حوالہ جات و حواشی

1. ”سنن ابی داود“، کتاب الملحم، باب ما یدکر فی قرن المسانہ، ج: ۲۹۱، ۴۲۹۱
2. خواجہ محمد احسان مجددی سرہندی، ”روضۃ القیومیہ“، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۲۰۰۲ء، مجلدات: ۴، ص: ۱۶۷-۱۴۴
3. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ”روضۃ القیومیہ“، ص: ۱۲۸-۱۲۹ ”حضرات القدس“، ص: ۲۹۹-۳۶۸
4. ”مکتوباتِ امام ربانی“، دفتر اول، مکتوب نمبر: 228
5. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 231
6. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 261
7. ایضاً، دفتر دوم، مکتوب نمبر: 92
8. ٹی، ڈیلیو، آرٹنڈ ”دعوت اسلام“، ص: ۴۱۲
9. Encyclopedia of religion and Ethics، جلد ۸، ص: ۷۴۸
10. ”مکتوباتِ امام ربانی“، دفتر سوم، مکتوب نمبر: 43
11. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: توزک جہانگیری، ص: ۳۴۰
12. ”مکتوباتِ امام ربانی“، دفتر اول، مکتوب نمبر: 53 بنام شیخ فرید بخاری، دفتر اول، مکتوب نمبر: 194 بنام صدر جہاں
13. مکتوب سیفیہ، مکتوب نمبر 83 بنام صوفی سعد اللہ افغانی
14. علامہ محمد ہاشم کشمی، ”زبدۃ المقامات“، مکتبہ انوارِ مدینہ، نور آباد، سیالکوٹ، ۱۴۰۷ھ، ص: ۱۳۲
15. ”مکتوباتِ امام ربانی“، دفتر اول، مکتوب نمبر: 204
16. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 224
17. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 224
18. ایضاً، دفتر سوم، مکتوب نمبر: 5
19. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 228 (یہ خط و کتابت ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بعد میں حضرت مجدد رحمہ اللہ علیہ نے میر نعمان گواپنے دستِ اقدس سے عربی زبان میں خلافت و ارشاد کا اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا۔ (ملاحظہ ہو: ”زبدۃ المقامات“، ص: ۴۵۹)
20. ایضاً، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب نمبر: 23

21. ایضاً، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب نمبر: 198
22. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 224
23. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 209
24. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 92
25. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 120
26. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 224
27. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 238
28. ایضاً، دفتر اول، مکتوب نمبر: 209
29. ایضاً، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر: 68
30. ایضاً، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر: 69
31. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکتوبات، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب نمبر: 191
32. ایضاً، دفتر اول، حصہ سوم، مکتوب نمبر: 114
33. ”صحیح بخاری، باب بدء الوحی“
34. ”مکتوبات امام ربانی“، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر: 69
35. ایضاً، دفتر اول، حصہ چہارم، مکتوب نمبر: 232
36. ایضاً، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر: 67
37. ایضاً، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر: 69
38. ملاحظہ ہو: ایضاً، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر: 23